ڈاکٹر سیّد توقیر حسین شاہ (سیّد توقیر بخاری)
لیکچرار اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، ڈھوک سیّداں، راولپنڈی
ڈاکٹر آفاق خالد
ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول پنڈ بالا، گوجر خان، راولپنڈی

رباعیاتِ جوش کا فنی مطالعہ

Abstract:
Quatrain is the most technicial type of Urdu and Persian poetry which is called in 'Rubai' in both literatures. Quatrain is considered a difficult type of poetry because of its twenty-four specific meters (buhoor). Despite of all difficulties it is very popular and attractive in the eyes of general people. Quatrain contain totally on four lines. Josh Malihabadiis considered a popular poet with the reference of his urdu poems and urdu quatrains (rubaiyat) however he also expreesed his views and thoughts in different types of poetry. He wrote three complete books of urdu quatrains i.e Junoon-o-Hikmat, Nujoom-o-Jawahir & Qatra-o-Qulzum. Moreover, a big number of his quatrain is included in other books of his poetry. Josh Malihabadi's quatrains reflect the topics of religion, socialism, politics and romance etc. In his quatrains, Josh Malihabadi also criticize on poticila and religious leaders who are far from the realities of life and misguiding their followers. In this article, a technical review of his quatrains is taken and critically dicussed.

Keywords:
Urdu Poetry, Rubaiat-e-Josh, Technical Review

یہ امر مسلّمہ ہے کہ اردو کی تمام اصنافِ سخن میں سے بہ لحاظِ فن، رباعی کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ ابتدا ہی سے رباعی، اپنے جملہ فنی محاسن اور امتیازی اوصاف کے باوصف، کسی شاعر کی قدرتِ کلام کو پرکھنے کا معیار رہی ہے۔ فی زمانہ اگر رباعی گوئی کے حوالے سے اردو شعرا سست روی کا شکار نظر آتے ہیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ رباعی کے فنی اشکالات ہیں۔ یعنی رباعی کے مقررہ چوبیس اوزان کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ محض ایک حرکت کی کمی یا زیادتی سے مصرع بے وزن ہو کر کسی اور بحر میں داخل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے لیے شاعرانہ مشاقی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو شعرا رباعی کی فنی پیچیدگیوں سے عمداً احتراز کرتے ہیں، ان کے لیے رباعی کہنا تو دور کی بات ہے، وہ موزونیت کے ساتھ رباعی پڑھ بھی نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جمیل جالبی کے نزدیک "رباعی کا فن چاولوں پر قل ہو اللہ لکھنے کا فن ہے"(۱)۔

شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی (۱۸۹۸ء تا ۱۹۸۲ء) کا شمار اردو شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے کلام میں ندرتِ خیال کے ساتھ ساتھ فنی پختگی کا بھی ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ جوش ملیح آبادی اردو کے ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا دقیق النظری سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نظیر اکبر آبادی اور میر انیس کی طرح کثرتِ الفاظ اور منظر نگاری کے حسین نمونے پیش کیے ہیں۔ بلاشبہ جوش کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے جنھیں بندشِ الفاظ پر استادانہ کمال حاصل ہوتا ہے۔ کلامِ جوش میں وسعتِ بیان کی مثالیں جا بہ جا نظر آتی ہیں اور یہی مثالیں جوش کی قادرالکلامی پر دال ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ جوش ایسے وسیع البیان شاعر کا مختصر ترین صنفِ سخن یعنی رباعی گوئی میں ایجاز و اختصار کا مظاہرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ رباعی گوئی میں غیر ضروری مضامین اور حشو و زوائد کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ خیال خواہ کتنا ہی جامع ہو، اس کی لفظی ترجمانی کے لیے شاعر کے سامنے صرف چار مصرعوں کی گنجائش ہوتی ہے۔

جوش ملیح آبادی نے خصوصیت کے ساتھ رباعی کے میدان میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی رباعیات کا ایک سرا روایت کے ساتھ جڑا ہوا ہے جبکہ دوسرا سرا مابعد رباعی گو شعرا کے لیے نشانِ منزل کا نظارہ پیش کر رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جوش ملیح آبادی نے ممتاز رباعی گو شاعر امجد حیدر آبادی کے تتبع میں رباعی کہنا شروع کی اور جوش کو دیکھ کر فراق گورکھ پوری رباعی گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ یوں تو جوش ملیح آبادی کی مشقِ سخن کی ابتدا تقریباً نو سال کی عمر میں ہوتی ہے لیکن انھوں نے رباعی گوئی کا آغاز تقریباً چالیس برس کی عمر میں کیا۔ جوش کے نزدیک رباعی گوئی میں تاخیر کا اصل سبب رباعی کی فنی مشکلات ہیں جن پر دسترس حاصل کرتے کرتے شاعر کی عمرِ عزیز کا ایک طویل حصہ گزر جاتا ہے۔ بقولِ جوش:۔

> رُباعی، ایک بہت بڑی بلا، اور نہایت جان لیوا صِنفِ کلام ہے۔ یہ کم بخت چالیس برس سے پیش تر کسی بڑے سے بڑے شاعر کے بس میں آنے والی چیز نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب تک کسی شاعر کو بے پناہ مشّاقی اور بے نہایت دیدہ وَری کی بدولت، دریا کو کوزے میں بھر لینے کا کام نہیں آتا، اُس وَقت تک رُباعی اُس کے قابو میں نہیں آتی۔ قلیل الفاظ کی وساطت سے کثیر معانی کا احاطہ کر کے صِرف چار مصرعوں میں اُس رُبعِ مسکوں کے تمام تجربات، مشاہدات، تاثّرات، نَظریّات اور افکار کا سمیٹ لینا، ایک ننّھے سے قطرے میں قُلزم کو مُقیّد کر لینا، ہر شاعر کے بس کا روگ نہیں (۲)

بنیادی طور پر جوشؔ ملیح آبادی کی اردو رباعیات تین مجموعوں (جنون و حکمت، نجوم و جواہر، قطرہ و قلزم) پر مشتمل ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے دیگر مجموعوں (حرف وحکایت، عرش و فرش، رامش و رنگ، سنبل و سلاسل، سرودوخروش، محراب و مضراب) میں بھی کچھ رباعیاں شامل ہیں۔ رباعیاتِ جوشؔ میں موضوعات کا تنوّع پایا جاتا ہے تاہم بیش تر رباعیات ایسی بھی ہیں جن میں عقائد و تعلیماتِ اسلامیہ پر بے جا تنقید کی گئی ہے۔ اس کے علی الرغم، جوشؔ کی کئی رباعیاتِ ظاہری بُنت اور باطنی تاثر کے اعتبار سے اتنی شاندار ہیں کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ علی الخصوص، جوشؔ کی درج ذیل رباعی تو اردو رباعی کی تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتی:۔

> کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
> چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
> انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
> ہر قوم پکارے گی "ہمارے ہیں حسینؑ" (۳)

جوشؔ کی محوّلہ بالا رباعی، کلامِ جوشؔ کی نمائندگی کے لیے کافی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، جوشؔ کی رباعی گوئی کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:۔

> جوشؔ رباعی نگار کی حیثیت سے ہماری شاعری کی تاریخ میں غیر معمولی حیثیت کے مالک ہیں۔ عہد حاضر میں اردو رباعی کو جو قبول عام حاصل ہے اس میں ان کی رباعی گوئی کا بڑا ہاتھ ہے۔۔۔ جوشؔ کی رباعیاں ایسی ہمہ گیری لے کر منظر عام پر آئیں کہ اس صنف سخن کی مقبولیت و شہرت عام ہو گئی اور جوشؔ کی تقلید میں اُردو کے دوسرے شعراء بھی اس طرف متوجہ ہوئے (۴)

جوشؔ ملیح آبادی کے کلام میں خمریہ رباعیات کی فراوانی اور پیرایۂ اظہار انھیں فارسی کے ممتاز رباعی گو شاعر عمر خیام کا مقلد ظاہر کرتا ہے۔ جوشؔ نے شرابِ حقیقی کو نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اپنی سخن وری کا بھی جزوِ لاینفک سمجھا ہے اور تابہ مقدور خمریہ رباعیات میں اس کی عکاسی بھی کی ہے۔ موضوع اور اظہار کی مشابہت کی بنا پر ڈاکٹر سلام سندیلوی کہتے ہیں کہ "اگر ہم جوشؔ کو اُردو کے خیام کا لقب دیں تو کسی طرح بیجا نہ ہوگا"(۵)۔ اسی طرح محمد ارشاد اپنی کتاب رباعی: تحقیق و تنقید میں جوشؔ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> اُردو رباعی گویوں میں جوش ملیح آبادی اس لحاظ سے اُردو کے نمایاں ترین رباعی گو ٹھہرتے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف بلحاظ کمیت سب سے زیادہ رباعیاں کہی ہیں بلکہ بلحاظ کیفیت بھی ان کی اچھی رباعیوں کی تعداد کسی بھی دوسرے رباعی گو کی اچھی رباعیات کی تعداد سے زیادہ ہے(۶)

جوشؔ نے جو عرصۂ حیات پایا ہے اس عرصے میں کئی شہرۂ آفاق شعرا منصبِ تخلیقِ ادب پر جلوہ گر رہے ہیں لیکن معاصر ادب میں رباعی گوئی کے حوالے سے جوشؔ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ موضوعاتِ افکارِ جوشؔ سے قطعِ نظر، سطورِ آئندہ میں رباعیاتِ جوشؔ کا فنی تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

جملہ اصنافِ سخن میں سے صرف رباعی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے چاروں مصرعے چار مختلف اوزان میں کہے جا سکتے ہیں۔ اس شاعرانہ سہولت سے کما حقہٗ استفادہ کرنے کے لیے لازم ہے کہ رباعی گو شاعر، رباعی کے مقررہ چوبیس اوزان سے کاملاً آگاہ ہو۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو جوشؔ نے من حیث المجموع اپنی رباعیات میں سولہ(۱۶) اوزان استعمال کیے ہیں جن میں سے مفعول مفاعلن مفاعیلن فع اور مفعولن فاعلن مفاعیلن فع جوشؔ کی رباعی گوئی کے پسندیدہ اوزان قرار دیے جا سکتے ہیں۔ راقم الحروف نے اپنے پی۔ایچ۔ڈی (اردو) کے تحقیقی مقالے بہ عنوان "جوش ملیح آبادی کی شاعری کا عروضی مطالعہ" کی تسوید کے دوران رباعیاتِ جوشؔ کے ایک ایک مصرعے کا عروضی جائزہ لیا ہے اور کچھ ایسے مصرعے بھی دریافت کیے ہیں جو عروضی اعتبار سے خارج از آہنگ ہیں۔

جب کوئی شاعر فکر و فن کے اعتبار سے پایۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا اپنی ذات اور کمالِ فن پر فخر کرنا مستحسن سمجھا جاتا ہے اور شعرائے کبار کے کلام میں اس نوعیت کے فخریہ اظہار کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ جوشؔ نے شاعرانہ تعلی کے ضمن میں کئی مقامات پر اپنے فنِ شعر گوئی پر ناز کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعلی

انھیں زیب بھی دیتی ہے کیونکہ جوشؔ نے اپنی انفرادیت قائم کرتے ہوئے حلقۂ ادب میں اپنی مخصوص جگہ بنائی ہے۔ واضح رہے کہ تعلی کا اظہار حدود و قیود میں رہ کر کیا جائے تو زیب دیتا ہے لیکن اگر یہ شاعرانہ افتخار مبالغے کا روپ اختیار کر جائے تو اسے معیوب گردانا جاتا ہے۔ جوشؔ، اپنی شخصی برتری کو ہر مقام پر برقرار رکھتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی تعلی مبالغہ آرائی کی بلندیوں کو چھونے لگتی ہے مثلاً یہ رباعی دیکھیں:۔

طوفان پہ ہنستا ہے سفینہ اپنا
پتھر کو کچلتا ہے نگینہ اپنا
تو دھوپ سے بھاگتا ہے سائے کی طرف
سورج کو بجھاتا ہے پسینہ اپنا(۷)

جوشؔ کا تعلق دبستانِ لکھنؤ سے تھا اور دبستانِ لکھنؤ کا نمایاں وصف شوکتِ الفاظ ہے۔ یہ وہ وصف ہے جس کی جستجو اور تکمیل میں شاعر کو آورد اور تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔ کلامِ جوشؔ میں آورد کی مثالوں کی حیثیت ثانوی ہے کیونکہ ایسا کلام عام طور پر تاثیر سے خالی ہوتا ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد جذباتِ لطیف کی برجستہ عکاسی کے بجائے اپنی قادر الکلامی کا لوہا منوانا ہوتا ہے۔ رباعیاتِ جوشؔ کا بیش تر حصہ تصنع اور مشکل پسندی سے مبرا ہے تاہم کہیں کہیں اس کی جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ مؤخر الذکر اسلوبِ بیان کی حامل درج ذیل رباعی ملاحظہ فرمائیں:۔

اپنی ظلمت خزینۂ شعلۂ طور
اپنی آشفتگی، خروشِ منصور
اپنی لب بستگی نشیدِ قرآں
اپنی لکنت، نوائے تورات و زبور(۸)

اس کے برعکس سہلِ ممتنع کی مثال رباعی دیکھیں:۔

افسوس کہ کوئی کام ہوتا ہی نہیں
جی بھر کے یہاں قیام ہوتا ہی نہیں
سُننے والے تمام ہو جاتے ہیں
افسانہ مگر تمام ہوتا ہی نہیں(۹)

جوشؔ کے یہاں تشبیہات کی ندرت پائی جاتی ہے۔ جوشؔ نے عشقِ مجازی کی جو داستانیں رقم کی ہیں ان میں بہت کم تصنع سے کام لیا گیا ہے۔ جوشؔ کی داستانِ عشق مبنی بر حقیقت ہوتی ہے اس لیے وہ معشوق کے خط و خال کی تصویر کشی کرنے کے لیے چاند ستاروں کے بجائے زیادہ تر ان اشیا کو مشبہ بہ کا درجہ دیتے ہیں جن کا تعلق کائناتِ ارض سے ہے یعنی تشبیہاتِ جوشؔ پر مقامی رنگ غالب ہے مثلاً:۔

الماس کی کان ہیں، تمھاری آنکھیں
شُعلوں کی زبان ہیں، تمھاری آنکھیں
اَرجُن کی کمان ہیں تمھارے ابرو
بَرچھوں کی دکان ہیں، تمھاری آنکھیں(۱۰)

تشبیہ کی طرح استعارہ بھی کلام کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ استعارہ، شاعری میں علامت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ استعارے پر ظاہری الفاظ و تراکیب کا لبادہ ہوتا ہے جب کہ اس کی اصل باطن میں پنہاں ہوتی ہے۔ استعارے کے حقیقی مفہوم سے وہی شخص وقوف حاصل کر سکتا ہے جو عمیق النظر ہو ورنہ عام قاری یا سامع ظاہری مفہوم ہی میں الجھا رہتا ہے۔ جوشؔ نے اپنے کلام میں بڑی خوب صورتی سے استعاراتی زبان استعمال کی ہے۔ انھوں نے اپنے استعاروں سے کائناتِ رنگ و بو کے مرئی مناظر کے پسِ پردہ فکری پیغام بری کا کام لیا ہے:۔

دریا کے عمق میں جا حبابوں کو نہ دیکھ
اوراقِ چمن اُلٹ، کتابوں کو نہ دیکھ
نکھرے ہوئے اک ذرۂ خاکی کے حُضور
ڈُوبے ہوئے لاکھ آفتابوں کو نہ دیکھ(۱۱)

جوشؔ نے اپنی فکر کے ساتھ ساتھ فن کا بھی الگ معیار قائم کیا ہے۔ جوشؔ نے روایتی مضامین کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ انتہائی عمیق مضمون کو بھی سطحی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ جوشؔ نے اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے مشکل پسندی سے گریز کیا ہے۔ ان کا شاعرانہ خیال اور مدعا بڑی آسانی سے قاری کے ذہن میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جوشؔ نے اپنی ایک رباعی میں تحقیق پسندی اور علم طلبی کی روِش کو غذائی عناصر سے تعبیر کیا ہے۔ جوشؔ کی یہ رباعی فنی نقطۂ نظر سے مجازِ مرسل کی مثال ہے جس میں علم کو خوردنی اور افکار کو پینے کی چیز ظاہر کیا گیا ہے:۔

تحقیق کی لو تپائے جاتی ہے مجھے
تفتیش کی دُھن گھُلائے جاتی ہے مجھے
بُجھتی نہیں پینے سے بھی اَفکار کی پیاس
یہ علم کی بھوک کھائے جاتی ہے مجھے(۱۲)

کسی بھی شاعر کے کلام میں علمِ بیان کے ارکان اور علمِ بدیع کے صنائع بدائع کے استعمال کا مقصد کلام کو لفظی و معنوی محاسن سے آراستہ کرنا ہوتا ہے۔ علمِ بیان صرف چار ارکان پر مشتمل ہے جبکہ علمِ بدیع کی صنعتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اکثر شعرا کے کلام میں غیر ارادی طور پر بھی صنعتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ ایک شعر یا رباعی میں ایک ہی فنی خوبی پائی جاتی ہو۔ بعض اوقات کوئی شعر ایک ہی وقت میں کئی فنی اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔ علمِ بیان کے ارکان اور صنعتوں کا استعمال اگر حد سے تجاوز کر جائے تو شعریت مفقود ہو جاتی ہے۔ لہذا شاعر کے لیے لازم ہے کہ وہ تکلف و تصنع سے اجتناب کرتے ہوئے برجستگی کو اپنا شعار بنائے۔ جوشؔ کی ذیل رباعی میں صنعتِ تکرار کی موسیقیت ملاحظہ فرمائیں:۔

خود سے نہ اُداس ہوں، نہ مسرور ہوں میں
بالذّات نہ روشن ہوں، نہ بے نُور ہوں میں
مختار ہے، مختار ہے، مختار ہے تُو
مجبور ہوں، مجبور ہوں، مجبور ہوں میں(۱۳)

کسی بھی شاعر کے کلام میں اگر کوئی صنعت سب سے زیادہ استعمال ہوتی ہے تو وہ صنعتِ تضاد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صنعتِ تضاد صرف شاعرانہ زبان ہی کا حصہ نہیں بل کہ یہ ہماری روزمرہ زندگی کا بھی حصہ ہے۔ نظم و نثر میں اس کی مساوی اہمیت ہے۔ علاوہ ازیں، صنعتِ تضاد کا استعمال کیے بغیر کوئی بھی صاحبِ لسان اپنی بات کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا۔ عربی زبان کا مقولہ ہے: تعرف الاشیاء باضدادھا (چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں)۔ وضاحتِ کلام کے علاوہ شاعری میں صنعتِ تضاد کا استعمال، حسنِ کلام کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ دو مختلف اشیا کو ایک ہی لڑی میں پرونے سے کلام کی رنگینی آشکار ہوتی ہے۔ صنعتِ تضاد، جوشؔ کی پسندیدہ صنعت ہے۔ یہ پسندیدگی صرف کلام کی حد تک نہیں بلکہ جوشؔ نے تو اپنے بیش تر مجموعوں کے نام بھی متضاد رکھے ہیں مثلاً: شعلہ و شبنم، فکر و نشاط، جنون و حکمت، آیات و نغمات، عرش و فرش،

سنبل و سلاسل،سموم و صبا، الہام و افکار، نجوم و جواہر اورمحراب و مضراب وغیرہ۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جوشؔ نے کس طرح متضاد اشیا کو باہم کیا ہے۔اس اندازِ بیان کی حامل رباعی دیکھیں:۔

ہنسنا بھی عجیب شے ہے رونا بھی عجیب
پانا بھی ہے طُرفہ بات، کھونا بھی عجیب
اک قادرِ مُطلق کا بہ اوصافِ حسَن
"ہونا" بھی عجیب ہے، "نہونا" بھی عجیب(۱۴)

اس کائنات کی ہر چیز کی تخلیق میں کئی حکمتیں کارفرما ہیں اور ہر چیز اپنے مخصوص محور میں گردش کر رہی ہے۔شاعری کا دار و مدار چونکہ تخیل پر ہوتا ہے اس لیے شعرا کو یہ تصرف حاصل ہوتا ہے کہ وہ علت و معلول میں نت نئے انکشافات کرتے رہتے ہیں۔ عرفِ عام میں اس صنعت کو "حسنِ تعلیل" کہتے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ حسنِ تعلیل کو بہ ہر حال شاعرانہ توجیہ ہی سمجھا جاتا ہے اور کسی بھی صورت میں اس فرضی علت کو حقیقت نہیں سمجھا جاتا۔ نثر کے مقابلے میں نظم ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے۔ منظوم ادب کی تخلیق کا ایک پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں شاعر کو زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی اجازت حاصل ہوتی ہے۔ علی العموم، شاعری میں محبوب کو اوّلیت اور اس کے مقابلے میں کائنات اور متعلقاتِ کائنات کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ شاعر محبوب کی اداؤں کو نظامِ کائنات کے ساتھ اس طرح مربوط کرتا ہے کہ ہر چیز کا سبب محبوب کی ذات بن جاتی ہے۔اس کے علاوہ بھی صنعتِ حسنِ تعلیل کے استعمال کی کئی صورتیں ہیں جن میں جامد اشیا کو مجسم اور متحرک اشیا کو زندہ کردار کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔الغرض! صنعتِ حسنِ تعلیل کا مناسب استعمال کلام کی لطافت دوبالا کر دیتا ہے جیسے:۔

قیدِ غفلت سے زندگی چھوٹ گئی
چھائی ہوئی ظُلمت کی کمر ٹوٹ گئی
دوشیزۂ صبح نے پپوٹے جو ملے
پَو پھٹ گئی، زرتار کرن پھوٹ گئی(۱۵)

جس طرح کلامِ جوشؔ میں صنعتِ تضاد کا استعمال بہ کثرت ہے بالکل اسی طرح انھوں نے متضاد الفاظ کو حرفِ عطف (و) کے ذریعے مرکبِ عطفی کی صورت عطا کی ہے۔ حرفِ عطف عام طور پر مترادف اور متضاد الفاظ

کو یک جا کرنے کے کام آتا ہے۔ دونوں صورتوں میں حرفِ عطف کے استعمال سے قاری کو یہ سہولت میسر ہوتی ہے کہ اگر وہ مرکبِ عطفی کے ایک لفظ کے معنی سے واقف نہ ہو تو دوسرے لفظ کی بہ دولت مفہوم سے واقف ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ بسا اوقات مرکبِ عطفی، حرفِ عطف کی تکرار سے بہت طویل بھی ہو جاتا جیسے حسرتؔ موہانی کا شعر ہے:۔

؎ غالبؔ و مصحفیؔ و میرؔ و نسیمؔ و مومنؔ
طبعِ حسرتؔ نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرز کی ادبی تخلیق، شاعرانہ مشّاقی ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ جوشؔ ملیح آبادی کو بندشِ الفاظ پر جو دسترس حاصل ہے، اس کی بنیاد پر وہ بڑی آسانی سے مختلف النوع اشیا کو ایک مصرعے یا شعر میں باندھ لیتے ہیں مثلاً:۔

طفلی و شباب و شیب و کم زوری و زور
غَوغا و سکوت و گریہ و نغمہ و شور
خوف و غضب و عشق و معاش و امراض
کیا کیا پُل ہیں میانِ گہوارہ و گور(۱۶)

وزن اور قافیہ پابند نظم کے دو بنیادی عناصر سمجھے جاتے ہیں۔ تخیل کی عمارت قافیے کی بنا پر قائم ہوتی ہے۔ پابند نظم کے لیے قافیے کا ہونا ضروری ہے جب کہ ردیف کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ ردیف، دامنِ شعر کے ساتھ جھالر کی طرح ہوتی ہے جو شعر کی زیبائش و آرائش میں اضافے کی موجب بنتی ہے۔ کبھی کبھی ردیف کا مرتبہ قافیے سے بھی بلند ہو جاتا ہے۔ اگر ردیف میں جدت و ندرت ہو تو پورا شعر اس کے مدار میں گردش کر رہا ہوتا ہے۔ اردو شعرا نے ردیف کے استعمال کے حوالے سے بھی کئی تجربات کیے ہیں۔ ان میں سب سے دلچسپ اور منفرد تجربہ، ردیف کا طویل ہونا ہے۔ طویل ردیف میں یک گونہ موسیقیت پنہاں ہوتی ہے۔ جوشؔ نے اکثر و بیش تر مختصر ردیفیں ہی استعمال کی ہیں تاہم کہیں کہیں طویل ردیفوں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے مثلاً:۔

پابندِ ہراس کیوں ہے؟ تیرے قرباں
آشفتہ حواس کیوں ہے؟ تیرے قرباں
تجھ پر تو ہے انبساطِ عالم کا مدار

تُو اِتنی اُداس کیوں ہے؟ تیرے قرباں (۱۷)

جوش ملیح آبادی نے شاعری کو صرف اظہارِ جذبات ہی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اس کے فنی لوازمات بھی بہ طریقِ احسن پورے کیے ہیں۔ جوش فکرِ سخن میں ریاضت کے قائل ہیں۔ ان کا مقصد ادبی حلقوں میں صرف شہرت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ اساتذۂ سخن کو اپنی قادر الکلامی کے ذریعے متاثر کرنا تھا۔ جوش کے آخری زمانے میں آزاد نظم کی تحریک زوروں پر تھی اور جدید شعرا کا روئے سخن اسی نئی صنف کی جانب تھا۔ ان بدلے حالات میں بھی جوش نے نہ صرف اردو شاعری کی روایت برقرار رکھی بلکہ رباعی جیسی نسبتاً دق اور خالصتاً فنی صنفِ سخن کے فروغ کے لیے بھی عملی طور پر کوشاں رہے۔ لہذا یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کی جاسکتی ہے کہ ان ادبی خدمات کے صلے میں جوش کا نام اردو رباعی گوئی کے حوالے سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم (لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۲۰۱۶ء)، ۴۵۱

۲۔ جوش ملیح آبادی، قطرہ و قلزم، (دہلی: سٹار پبلی کیشنز، ۱۹۶۳ء)، ۱-۲

۳۔ جوش ملیح آبادی، حسین اور انقلاب (بمبئی: کتب خانہ تاج، ۱۹۴۵ء)، ۳

۴۔ فرمان فتح پوری، اُردو رُباعی (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ۱۰۶-۱۰۷

۵۔ سلام سندیلوی، اردو رباعیات (لکھنؤ: نسیم بکڈپو، ۱۹۶۳ء)، ۵۳۷

۶۔ محمد ارشاد، رباعی: تحقیق و تنقید (لاہور: اِلقا پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء)، ۲۰۶

۷ جوش ملیح آبادی، نجوم و جواہر (کراچی: جوش اکیڈمی، ۱۹۶۷ء)، ۱۳۸

۸۔ ایضاً، ۱۲۶

۹۔ جوش ملیح آبادی، جنون و حکمت (دہلی: کلیم بک ڈپو، ۱۹۳۷ء)، ۵۷

۱۰۔ جوش ملیح آبادی، قطرہ و قلزم، (دہلی: سٹار پبلی کیشنز، ۱۹۶۳ء)، ۱۰۰

۱۱۔ جوش ملیح آبادی، جنون و حکمت، ۴۲

۱۲۔ جوش ملیح آبادی، نجوم و جواہر، ۳۷

۱۳۔ جوش ملیح آبادی، جنون و حکمت، ۲۱

۱۴۔ جوش ملیح آبادی، جنون و حکمت، ۴

۱۵۔ جوش ملیح آبادی،نجوم و جواہر،۱۸۴

۱۶۔ ایضاً،۲۳۶

۱۷۔ جوش ملیح آبادی،جنون وحکمت،۷۹

1. **Jameel Jalibi**, *Tārīkh-e-Adab-e-Urdu*, Volume 2 (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2016), p. 451.
2. **Josh Malihabadi**, *Qatrah o Qulzum* (Delhi: Star Publications, 1963), pp. 1–2.
3. **Josh Malihabadi**, *Husain aur Inqilāb* (Bombay: Kutub Khana Taj, 1945), p. 3.
4. **Farman Fatehpuri**, *Urdu Rubā'ī* (Lahore: Al-Waqar Publications, 2007), pp. 106–107.
5. **Salam Sandilavi**, *Urdu Rubā'iyāt* (Lucknow: Naseem Book Depot, 1963), p. 537.
6. **Muhammad Irshad**, *Rubā'ī: Tehqīq o Tanqīd* (Lahore: Ilqa Publications, 2013), p. 206.
7. **Josh Malihabadi**, *Nujūm o Jawāhir* (Karachi: Josh Academy, 1967), p. 138.
8. **Ibid.** p. 126.
9. **Josh Malihabadi**, *Junūn wa Hikmat* (Delhi: Kaleem Book Depot, 1937), p. 57.
10. **Josh Malihabadi**, *Qatrah o Qulzum* (Delhi: Star Publications, 1963), p. 100.
11. **Josh Malihabadi**, *Junūn wa Hikmat*, p. 42.
12. **Josh Malihabadi**, *Nujūm o Jawāhir*, p. 37.
13. **Josh Malihabadi**, *Junūn wa Hikmat*, p. 21.
14. **Josh Malihabadi**, *Junūn wa Hikmat*, p. 4.
15. **Josh Malihabadi**, *Nujūm o Jawāhir*, p. 184.
16. **Ibid** p. 236.
17. **Josh Malihabadi**, *Junūn wa Hikmat*, p. 79.

کتابیات

- جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶ء)
- جوش ملیح آبادی، قطرہ و قلزم، (دہلی: سٹار پبلی کیشنز، ۱۹۶۳ء)
- جوش ملیح آبادی، قطرہ و قلزم، (دہلی: سٹار پبلی کیشنز، ۱۹۶۳ء)
- جوش ملیح آبادی، جنون و حکمت (دہلی: کلیم بک ڈپو، ۱۹۳۷ء)
- جوش ملیح آبادی، حسین اور انقلاب (بمبئی: کتب خانہ تاج، ۱۹۴۵ء)
- جوش ملیح آبادی، نجوم و جواہر (کراچی: جوش اکیڈمی، ۱۹۶۷ء)
- سلام سندیلوی، اردو رباعیات (لکھنؤ: نسیم بکڈپو، ۱۹۶۳ء)
- فرمان فتح پوری، اُردو رُباعی (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)
- محمد ارشاد، رباعی: تحقیق و تنقید (لاہور: اِلقا پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء)